مسلک اہلحدیث کا داعی و ترجمان
ہفت روزہ
الاعتصام
لاہور
پاکستان
جلد ۳۶
۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء
جمعۃ المبارک
۹ محرم ۱۴۰۵ھ
شمارہ ۱۰
مندرجات
تبصرۂ کتب ۲
شہادت حسینؓ کے چند غور طلب پہلو ۳-۵
دین میں غلو (درسِ قرآن) ۶-۹
تمیمۃ القبیؓ (درسِ حدیث) ۱۰-۱۱
قرآن کے بوسیدہ اوراق جلانے کا مسئلہ ۱۲-۱۴
چند سوالوں کے جواب (مسئلہ فدک و قرطاس وغیرہ) ۱۵-۲۰
اطلاعات و اعلانات ۲۱-۲۳
مدیر مسئول
محمد عطاء اللہ حنیف
حافظ صلاح الدین یوسف
علیم ناصری ایم اے
محمد سلیم انصاری
سالانہ — ۵۰ روپے
فی پرچہ — ۵۰/۱ روپیہ
ممالک غیر : ۲۰ پونڈ

تبصرہ کتب — علیم ناصری

سیرت آنحضرتؐ بائبل کی روشنی میں

مرتب :۔ قاضی حبیب الرحمٰن منصور پوری
۸۰ صفحات ۔ چھوٹا سائز ۔ قیمت ۲/۵۰
مفت تقسیم کے لئے ۱۷۵/- روپے سینکڑہ
ناشر:۔ ادارہ مطبوعات سلیمانی ۔ اُردو بازار ۔ لاہور

قاضی حبیب الرحمان منصور پوری برصغیر ہند و پاک کے ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ اور ملک کے عظیم مورخ اور عالم قاضی محمد سلیمان منصور پوری (مؤلف رحمۃ للعالمین) کے برادر زادے تھے۔ کتاب کے آغاز میں انہوں نے اپنے محترم چچا کے اس خیال کا ذکر کیا ہے کہ وہ سیرت آنحضرتؐ کے سلسلے میں رحمۃ للعالمین کی تین جلدوں کے بعد دو کتابیں اور تحریر کرنا چاہتے تھے جن میں سے ایک تو صرف قرآن مجید اور ایک بائبل (انجیل) کی روشنی میں ہو۔ اس سلسلے میں کچھ یادداشتیں بھی چھوڑی تھیں مگر عمر نے وفا نہ کی اور وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ قاضی حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے محترم چچا کے اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کی تھی۔ اور زیر نظر کتاب مرتب کر لی تھی مگر اس کی اشاعت سے پہلے ان کا بھی انتقال ہوگیا۔

محترم عبدالرحید سلیمانی صاحب کو قاضی محمد سلیمانؒ صاحب سے عقیدت تھی اور قاضی حبیب الرحمٰن صاحب سے خاندانی تعلقات تھے۔ وہ ان کی اس تصنیف کو مؤلف مرحوم کی زندگی ہی میں شائع کرنے کی کوشش کرتے رہے مگر موت نے قاضی صاحب کو اس کتاب کو زیور طباعت سے آراستہ دیکھنے کی مہلت نہ دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قاضی صاحب مرحوم نے اس کتاب میں انجیل کے ان مقامات کے اقتباسات دیئے ہیں جن میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئیاں درج ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل انبیائے کرام کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت یحییٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ حضرت یسعیاہ۔ حضرت حبقوقؑ، حضرت ہوشیعؑ۔ حضرت ذکریاؑ، حضرت ملاکیؑ علیہم السلام اجمعین

اس کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی عظمت و شان نیز بیت اللہ شریف اور مدینہ منورہ اور دیگر مقامات کا ذکر جیسے انجیل و تورات میں آیا ہے اس کو نہایت خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب عیسائیوں اور امریکی تبلیغی مشنوں کی ارتدادی کاوشوں اور عیسائیت کی گمراہ کن یلغار کو روکنے کے لئے ایک عمدہ علمی ہتھیار کا کام دینے والی ہے جس کا مطالعہ ہمارے مبلغین اور واعظین کے لئے نہایت کارآمد ہے۔ دینی جماعتوں کو اس کتاب کی زیادہ سے زیادہ تقسیم کرنی چاہیئے۔ تاکہ ناواقف لوگ جو بے علمی یا دیگر لالچوں کے باعث عیسائیت کی گود میں گر رہے ہیں ان کو بچایا جاسکے۔

یہ کتاب ادارہ مطبوعات سلیمانی کے علاوہ مکتبہ السنیر ۱/۷ قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور اور شیخ عبدالشکور قریشی صدیقی۔ دارالمطالعہ سلیمانیہ۔ سلیمانی بلڈنگ بلاک نمبر ۳ ڈیرہ غازی خاں سے بھی مل سکتی ہے۔

ہم ادارہ مطبوعات سلیمانی کے مدیر جناب عبدالوحید سلیمانی صاحب کو اس نہایت مفید کتاب کی اشاعت پر مبارکباد دیتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فون مولانا محمد عطاء اللہ حنیف (قصر) ۶۲۲۴۷۶

۹ محرم الحرام ۱۴۰۵ھ

۵ر اکتوبر ۱۹۸۴ء

ہفت روزہ

الاعتصام لاہور

فون دفتر الاعتصام ۰۰۴۴۵

جلد ۳۶

شمارہ ۱۰

مولانا محمد حنیف ندوی

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کے غور طلب پہلو

شہادت حسین پر اس فراوانی سے آنسو بہائے گئے ہیں کہ دجلہ و فرات کی روانیاں تھم گئی ہیں۔ ماتم و گریہ کی ہر ہر صورت کو اس طرح آزمایا گیا ہے کہ اب اس میں کوئی جدت نہیں رہی۔ ہر لکھنے والے قلم اور بولنے والی زبان نے اس پر اس طرح حاشیہ آرائی و فسانہ طرازی فرمائی ہے کہ حقیقت و فسانہ کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنا مشکل ہو گیا ہے ـــ لہٰذا ہم اس سانحہ پر ایک قطرہ آنسو کا بہائے بغیر اور اس کی فسانہ طرازیوں سر مو اضافہ کئے بغیر ایک حقیقت نگر اور عبرت پذیر انسان کی حیثیت سے اس واقعہ کے اُن پہلوؤں سے متعلق غور کرنا چاہتے ہیں جو عام نظروں سے اوجھل ہیں۔ اور مسلمانوں کو دعوت دینا چاہتے ہیں کہ وہ بھی اس پر سوچیں ـــ ہمیں حضرت امام حسینؓ کی جلالت قدر کا پورا پورا احساس ہے۔ ہم ان کی مظلومیت کے معترف ہیں۔ اور ان کی شہادت کے قائل ـــ

سردست ہم تاریخ کی مختلف فیہ کڑیوں کو نہیں چھیڑنا چاہتے۔ ہم اس پر بحث نہیں کرنا چاہتے کہ یہ جنگ کفر و اسلام کی جنگ تھی یا دو مسلمانوں کی جنگ! جن کو حالات کی اضطراری چال نے لڑنے پر مجبور کر دیا۔ ہم اس سوال کو بھی درمیان میں نہیں لانا چاہتے کہ حضرت امام حسینؓ کے سامنے اسلامی حکومت سے متعلق کوئی مخصوص نظریہ اور تصور تھا یا نہیں؟ جو امام حسنؓ کو معلوم نہیں تھا۔ یا جسے حبرِ امت حضرت ابن عباسؓ نہیں جانتے تھے (جنہوں نے حضرت امام کو کوفہ کی طرف روانہ ہونے سے روکا)، اور جو اس وقت کے دوسرے صحابہ اور جلیل القدر تابعین کی چشمِ بصیرت سے مخفی تھا۔ ہم اس تلخ پہلو سے بھی تعرض نہیں کرنا چاہتے کہ شہادتِ حسینؓ کے بعد اس جنگ کو باقی اُمت نے کیوں جاری نہ رکھا ـــ ہم اس ساری داستان کو صرف اس نقطہ پر مرکوز رکھنا چاہتے ہیں کہ امام حسینؓ کی شہادت سے اسلامی ذہن و فکر نے جو نتائج اخذ کئے وہ بلاشبہ اتنے عمدہ، اتنے صحت مند اور روشن ہیں کہ ان کی وجہ سے اسلامی سیاست کی بنیادیں نکھر گئیں ـــ یعنی اس شہادت سے پہلی دفعہ اُمت میں اس احساس نے کروٹ لی کہ تنظیمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ اربابِ حکومت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ متقی و پاکباز ہوں۔ ان کا دینی پایہ اور دینی بصیرت بلند ہو۔ کیونکہ وہ صرف حاکم ہی نہیں ہیں بلکہ ایک دین کے مبلغ بھی ہیں۔ چند بنیادی اور اصولی قدروں کے داعی بھی ہیں۔ اس سے پہلے بھی یہ احساس موجود تھا لیکن اتنا اُجلا اور واضح نہیں تھا ـــ تاریخ کا یہ تجربہ اگر صحیح

ہے اور یقیناً صحیح ہے تو پھر بحث کے وہ پہلو سامنے آئیں گے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے؟ کہ کیا یہ تقویٰ و صلاح اور فسق و فجور کے درمیان آخری جنگ تھی؟ کیا اس کے بعد کبھی فاسق و فاجر حکومتیں برسر اقتدار نہیں آئیں گی۔

اگر عقیدہ یہ ہے کہ ہر دور میں تاریخ حکومت و اقتدار کی مسندوں پر نااہلوں اور فاسقوں کو بٹھا سکتی ہے تو پھر یہ سوال دل میں چٹکی لے گا کہ ایسے حالات میں اُمت کا فرض کیا ہے؟ کیا حسینؓ کی سنّت کا احیاء یا صرف سینہ کوبی و ماتم گساری؟ —— اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیے۔ کہ آپ کا یہ حزن و ملال، یہ اندوہ اور غم، یہ نالہ و شیون، یہ رونا اور آہ و بکا کی محفلیں بپا کرنا۔ آخر کیوں؟ کس لئے؟ کوئی اُصول آپ کے سامنے ہے؟

آپ اس تضاد کی کیا توجیہ کرتے ہیں کہ آپ فی الحقیقت ایسے دور میں رہ رہے ہیں جو حسینؓ کی بصیرت چاہتا ہے۔ حسینؓ کا ایثار چاہتا ہے، اور کھل کر کہئے کہ حسینؓ کی جانبازی چاہتا ہے۔ آپ کے گرد و پیش بُرائیاں ہیں، نئے نئے فتنے ہیں۔ تقویٰ و صلاح کے معیاروں کو چیلنج کیا جا رہا ہے۔ اسلامی قدروں کو روندا اور پامال کیا جا رہا ہے۔ ایسے ایسے نظریات کی اشاعت ہو رہی ہے جس سے اسلامی تصوّرِ حیات بالکل پامال ہو جاتا ہے۔ مزید براں اقتدار و اختیار کی باگ ایسے ہاتھوں میں ہے جو یقیناً حسینؓ کے ہاتھ نہیں —— مگر اس کے باوجود آپ ہیں کہ مطمئن ہیں۔ آپ کے دل میں دین کے لئے کوئی خلش نہیں۔ آپ ماحول سے قطعاً شاکی نہیں، بلکہ اس دور کے فتنوں کے ساتھ سازگاری اور تعاون برابر جاری ہے۔ آپ ہی بتلائیے ایک طرف امام حسینؓ کی یاد دوسری طرف یزیدی روح سے تعاون۔ اسے آپ کیا کہیں گے۔ اور اگر قیامت کے روز امام شہید نے اپنے ان عقیدت مندوں کو گریبان سے پکڑ کر اس ردعمل پر یہ پوچھ لیا کہ اس مذاق کے کیا معنی تھے تو جواب کیا ہوگا؟

اسلامی تاریخ میں شہادتِ حسین ایسا سانحہ نہیں کہ ہم جب سنیں، رونا اور بسورنا شروع کر دیں۔ بلکہ یہاں تو ہر قدم اور ہر موڑ پر قربانی و ایثار کے ایسے ایسے واقعات ہیں کہ پڑھنے اور سننے والوں سے آہ و بکا اور نالہ و شیون کا خراج وصول کرکے رہیں۔ ہماری تاریخ اس معاملہ میں اتنی سرخرو ہے کہ ایثار و قربانی کی کوئی دوسری تاریخ اس کی ہمسری کا دعوےٰ نہیں کر سکتی —— اور یہ اس لئے نہیں کہ ہمارے ہاں جو اختلاف پیدا ہوئے وہ اس درجہ ہولناک تھے کہ سوا جنگ و جدل کے اُن کو مٹانے کی کوئی اور تدبیر ہی نہیں تھی۔ بلکہ اس لیے کہ اسلام ایک اصُولی دعوت ہے۔ ایک پیغام ہے۔ اور زندگی اور اس کے تمام ظہورات کا ایک جامع لائحہ عمل ہے۔ اس کا تعلق شخصیتوں سے اتنا زیادہ نہیں جس قدر کردار اور سیرت سے ہے۔ اس لئے جب کبھی اس کی تعبیر و ترجمانی میں اختلاف پیدا ہوا۔ بڑی سے بڑی شخصیت کو نظر انداز کر دیا گیا۔

ہم اس نکتہ چینی کی مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں، آئیے! ہم اس پر سوچیں کہ گو شہادتِ حسینؓ عبر و بصائر کا مرقع ہے۔ گو اس سے اسلامی تصوّرِ حکومت کی بڑی حد تک وضاحت ہوتی ہے۔ اور حضرت امام کی زندگی کا وہ پہلو سامنے آتا ہے جس سے استبداد و جبر کے ایوان ہل جاتے ہیں —— مگر بہر آئینہ یہ اسوۂ حسینؓ کی ایک جھلک ہے۔ پورے اُسوہ کی تابانیاں نہیں۔ دیکھنے کی شئے یہ ہے کہ جب انہوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا ہے۔ اس وقت عمر پچاس سے متجاوز ہو چکی تھی۔ سوال یہ ہے کہ اس پچاس برس کی زندگی میں اطاعتِ دین اور خدمتِ دین کے کیا کیا نمونے ہیں؟ جن کو اپنا کر ہم اللہ کی خوشنودی حاصل کر سکتے ہیں۔؟

غور اس پر کرنا ہے کہ ان کے عہدِ طفلی کی معصومیتیں ہمیں کیا سکھاتی ہیں؟ شباب کی سرمستیوں میں انہوں نے موجودہ پود کے لئے کیا ذوق و عمل کا نمونہ چھوڑا۔ اور پھر جب جوانی کا جوش تھا۔ اور سنجیدگی و وقار نے زمامِ اقتدار

اپنے ہاتھ میں لی ۔ تو اپنے فکر و عمل اور مواعظ و تذکیر سے خلق اللہ کو کیا کیا فوائد حاصل ہوئے ۔؟ گھر میں ان کی زندگی کیسی تھی ، بچوں سے معاملہ کی نوعیت کیا تھی ۔ تعلیم و تربیت میں انہوں نے کن کن اصولوں کو سامنے رکھا ۔ اور لوگوں کو ان کی روحانیت اور شخصیت سے کیا کیا حاصل ہوا —— یہ سب سوال ہیں جو قدرتی طور پر اس دل میں پیدا ہوتے ہیں ، جو ہر سال حضرت امامؓ کا نام سنتا ہے اور ان سے متعلق مظاہروں کو دیکھتا ہے —— لیکن یہ کس درجہ محرومی و تہی دستی ہے کہ خود ان کی شہادت کو اپنا ذریعہ معاش قرار دینے والے ذاکرین بھی ان نکات پر توجہ نہیں فرماتے ۔

اور جب ایک طالب حق ان سوالوں کے جواب کے لئے لٹریچر کے دروازوں کو کھٹکھٹاتا ہے تو آنسوؤں ، آہوں اور رونے دھونے کی چیخ و پکار کے سوا اور کوئی چیز اسے نہیں ملتی —— حالانکہ حقیقی اور سچی محبت انہیں تنقیحات کے تسلی بخش جواب پر مبنی ہے ۔ آخر آپ کب تک روتے اور رلاتے رہیں گے ؟ ایک وقت آئے گا جب پڑھے لکھے عوام آپ سے مطالبہ کریں گے کہ جناب حضرت حسینؓ کی زندگی کا پورا چٹھا پیش کیجئے ۔ ان کی قوت عمل انہیں مجبور کرے گی کہ حضرت امامؓ کا پورا اسوہ ان کے سامنے رکھا جائے —— اس ضمن میں اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہیئے کہ سال کے پورے بارہ مہینے ہوتے ہیں جن میں محرم صرف ایک مہینہ ہے ۔ گیارہ مہینے کا دوسرا پروگرام اور مصروفیات چاہتا ہے ۔ یعنی شہادت حسینؓ حضرت امام کی کتاب زندگی کی آخری سطر ہے ۔ اس سے پہلے کے ابواب و فصول کی تفصیلات مطلوب ہیں ۔ عوام کی اصلاح طلب طبیعتیں رہنمائی و استفادہ کے لئے یہ معلوم کرنا چاہتی ہیں کہ آں حضرتؐ کے نواسہ نے پاکیزگیٔ عمل کے کن کن نقشوں کو چھوڑا ؟ صرف رونے اور بسورنے سے عمل کے تقاضے پورے نہیں ہونے کے —— !

ہر سال امام کے نام پر نوحہ کرنے والوں سے یہ پوچھنا ہے کہ حضرت امام کبھی ہنسے بھی ہوں گے ، فرحت و طرب کی ساعتیں بھی اُن کی زندگی میں آئی ہوں گی ایسے واقعات سے بھی انہیں دوچار ہونا پڑا ہو گا جن سے ان کی روح کو بالیدگی حاصل ہوئی ہو ۔ یہ تو بتائیے کہ وہ واقعات کون کون سے ہیں ۔ کیونکہ زندگی صرف رونا ہی نہیں ہنسنا بھی ہے ۔ بسورنا اور غمگین ہونا ہی نہیں ، انبساط و اہتزاز سے لہرانا بھی ہے ۔

مولانا معین الدین لکھوی مدظلہ کے پوتے کا انتقال

گزشتہ ہفتے انہی کالموں میں مولانا معین الدین لکھوی مدظلہ کی اہلیہ محترمہ کے انتقال پر اظہار تعزیت کیا گیا تھا مگر اس کے چند ہی روز بعد یہ ناخوشگوار اطلاع بھی ملی کہ مولانا کا ایک نومولود پوتا بھی انتقال کر گیا ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا کی اہلیہ محترمہ دراصل اسی بچے کے ایام پیدائش میں اپنی بہو کے پاس ہسپتال ہی میں تھیں جب ان پر دل کا دورہ پڑا ۔ اور اس سے جانبر نہ ہو سکیں ۔ ان کے بعد ان کی بہو نومولود بچے کے ساتھ گھر آئیں تو یہ بچہ بھی دادی محترمہ کے ایک ہفتہ بعد اللہ کو پیارا ہو گیا ۔

مولانا لکھوی پر غم و اندوہ کی یہ پے در پے یورش یقیناً دردناک ہے مگر اُن سے زیادہ کون جانتا ہے کہ یہ فیصلے زمین پر نہیں آسمان پر ہوتے ہیں اور ان کے نفاذ کی تمام تر قوت خداوند قدیر کے ہاتھ میں ہے جو فعّال لما یرید ہے ۔

مولانائے محترم محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ اور ادارہ الاعتصام مولانا لکھوی کے ان صدمات میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس بچے کے نعم البدل اور اس کو والدین کے لئے ذخیرۂ آخرت بننے کی دعا کرتے ہیں (ع ۔ ن)

درس قرآن
(قسط ۳ آخری)

مولانا عبدالغفار حسن حفظہ اللہ تعالیٰ

دین میں غلو

صحابہ اور اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے بعد تابعین، ائمہ اربعہ، فقہاء اور محدثین کا نمبر آتا ہے۔ ان کے بارے میں بھی لوگ غلو کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے فلاں بزرگ نے جو کچھ فرما دیا وہ اٹل ہے، اس میں کوئی ترمیم اور کوئی تغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ غلط رویہ ہے۔ امام بخاریؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ یہ سب واجب الاحترام ہیں۔ ان کی شان میں گستاخی کرنا، ان کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ سب دین کے سچے خادم اور امت کے محترم ہیں۔ ان کے بارے میں کوئی ایسی بات کہنا جس سے ان کی توہین ہو، غلط ہے۔ ہاں انہیں معصوم نہیں مانا جائے گا۔ مگر معصوم نہ مانتے ہوئے بھی ان کی تکریم، ان کا احترام ضروری ہے۔ ان کی محبت یا نفرت میں غلو دونوں غلط ہیں۔ قرآن مجید میں اسی لئے فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ (النساء - ۱۳۵)

(اے ایمان والو، انصاف کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے، خواہ اس گواہی کی زد تمہاری جانوں پر پڑے یا تمہارے والدین پر، یا تمہارے رشتہ داروں پر، یعنی ہر حال میں حق بات کہو، کسی کی محبت میں حق و انصاف کا دامن نہ چھوٹنے پائے)

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:-

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (المائدہ ۸)

(کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف سے برگشتہ نہ کر دے۔ انصاف کرو۔ یہ تقوےٰ سے اقرب ہے)

نفرت یا عداوت اور محبت دونوں میں غلو ہو جاتا ہے۔ انسان حد سے بڑھ جاتا ہے۔ ایک شخص امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بڑا شیدائی تھا۔ کوئی حرج نہیں لیکن اس نے ان کی منقبت میں یہ حدیث گھڑ ڈالی۔ سِرَاجُ اُمَّتِیْ اَبُوْحَنِیْفَۃَ۔ (یعنی ابوحنیفہ میری امت کے چراغ ہیں) یہ ایک من گھڑت حدیث ہے۔ ملا علی قاری حنفی تک نے یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، من گھڑت ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔

انہی صاحب کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نفرت تھی۔ چنانچہ ان کے بارے میں یہ حدیث بنا ڈالی۔

سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ مُحَمَّدُ بْنُ اِدْرِیْسَ، ھُوَ اَضَرُّ عَلٰی اُمَّتِیْ مِنْ اِبْلِیْسَ۔

(یعنی میری امت میں ایک شخص پیدا ہو گا جس کا نام ہو گا محمد بن ادریس (امام شافعیؒ کا نام) وہ میری امت کے اوپر ابلیس سے زیادہ خطرناک ہو گا)

یہ ہے شخصیات کے بارے میں، محبت میں غلو، نفرت میں غلو، شخصیات کے بارے میں غلو انسان کو تباہ کر دیتا ہے۔ دین کا حلیہ بگاڑ دیتا ہے۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، اور ان سے فرمایا: لَا تَدَعْ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَہٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّیْتَہٗ [1] "اے علی جاؤ، اگر کوئی تصویر دیکھو تو اسے مٹا دینا اور اگر کوئی قبر اونچی دیکھو تو اسے زمین کے برابر کر دینا۔"

تصویریں بھی شخصیت پرستی کا ذریعہ ہیں، فوٹوں اور

---

[1] رواہ مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسویۃ القبر، مشکوٰۃ ص ۱۴۸، کتاب الجنائز، باب دفن المیت　(ص-ی)

دوسری چیزوں پر ممتاز شخصیتوں کی تصویریں شخصیت پرستی کی علامت ہی تو ہیں۔ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں صاحب کی تصویر آرہی ہے تو لوگ ادب واحترام کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ گویا وہ صاحب زندہ ہیں۔ بعض موقعوں پر کسی بڑی شخصیت کے بجائے اس کی تصویر کرسی صدارت پر رکھ دی جاتی ہے۔ اور تصویر ہی جلسے کی صدارت کرتی ہے۔ بڑی شخصیات کی تصویروں کی اشاعت بہت بڑا فتنہ ہے۔ ایک صاحب نے اپنے محبوب دینی رہنما کی تصویر قرآن مجید میں رکھی ہوئی تھی۔ شریعت نے وہ سب رخنے بند کردیئے ہیں جن کے ذریعے شخصیت پرستی کے جراثیم مسلم معاشرے میں پھیلتے ہیں۔ ایک بزرگ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ "میں تو بلا ضرورت ایک بچے کی تصویر کھینچنا بھی حرام سمجھتا ہوں، ہوسکتا ہے کہ وہ بڑا ہوکر بہت بڑا رہنما بن جائے۔ اور پھر اس کی تصویر کی پوجا ہونے لگے۔" آج سے کوئی چالیس برس پہلے کی بات ہے، بنارس میں ایک نمائش لگی، جس میں گاندھی جی کا قد آدم سے بھی بڑا، اونچا اور شاندار فوٹو لگا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ آنے جانے والے جن میں مسلمان بھی تھے۔ اور غیر مسلم بھی، جب فوٹو کے سامنے سے گزرتے تو ہاتھ جوڑ کر نمستے کرتے، تصویر کو سلام ہو رہا ہے حالانکہ تصویروں کی شان، جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے، یہ ہے۔

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ

(سورۃ فاطر - ۱۴)

"اگر تم ان کو پکارو تو (اول تو وہ تمہاری پکار سنیں گے نہیں۔ اور (اگر بالفرض) سن بھی لیں تو تمہیں جواب نہیں دیں گے (تمہارا کہنا نہیں کریں گے) اور قیامت کے روز تمہارے شرک کرنے کی مخالفت کریں گے اور تمہیں اللہ خبیر کی طرح کوئی خبر نہ دے گا"

آج کل فرقہ واریت بلکہ فرقہ پرستی نے بڑا بگاڑ پیدا کر رکھا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سعودی عرب اس سے بچا ہوا ہے۔ ممکن ہے دوسرے عرب ممالک بھی اس سے بچے ہوئے ہوں۔ سعودی عرب میں تو صورت حال یہ ہے کہ مسجد کا امام حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی۔ اگر اصل امام نہ ہو تو کوئی اور نماز پڑھا دیتا ہے۔ چاہے کسی مسلک کا پیرو ہو وہاں یہ بات نہیں کہ ہر مسجد پر کسی ایک مسلک کے لوگوں کا قبضہ ہے۔ اس لئے امام بہرحال اسی مسلک کا ہونا چاہیئے۔ وہاں امامت کے لئے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور اہلحدیث کی کوئی تخصیص نہیں، ہر مسلک کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی جاتی ہے۔ مگر ہمارے ہاں اس بات پر جھگڑے ہوتے ہیں۔ مار کٹائی اور مقدمہ بازی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مقتدیوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگتی ہیں کہ فلاں شخص آگے آگیا ہے اس کے پیچھے ہماری نماز ہوگی بھی یا نہیں۔

سنن ابی داؤد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض ساتھیوں سے کہا کہ "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ اور منیٰ میں قصر نہیں کرتے، حالانکہ حج کے لئے آتے ہیں، یہ مسافر ہیں۔ یہ قصر نہ کرنا سنت کے خلاف ہے" لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ظہر کی چار رکعت نماز پڑھائی تو انہوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھ لی۔ کسی نے کہا کہ "آپ تو کہہ رہے تھے کہ ان کی نماز خلاف سنت ہے، پھر آپ ان کے پیچھے کیوں نماز پڑھ رہے ہیں؟" حضرت عبداللہ بن مسعود نے جواب دیا۔ "اَلْخِلَافُ شَرٌّ" (یعنی مخالفت شر ہے) بات یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ میں نے چونکہ یہاں شادی کرلی ہے۔ اس لئے میں مسافر نہیں ہوں، قصر نہیں کرسکتا، اس لئے وہ چار رکعت پڑھتے تھے۔ دوسروں نے ان کی اس تاویل سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ انہوں نے دو کے بجائے چار کیسے پڑھیں؟ معاملہ تاویل میں اختلاف کا تھا۔

"تاویل کے معنی ہیں کسی آیت یا حدیث کا مفہوم متعین کرنا۔ اگر تاویل میں کسی سے کوئی غلطی ہو جائے یا غلط فہمی ہو جائے تو ایسی صورت میں مؤوّل (تاویل کرنے والے) کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کے ان مسائل میں وسعت ہے اور ان میں تنگ نظری اور فتوے بازی درست نہیں۔

غلو فی الدین کی ایک تازہ مثال وہ حادثہ ہے۔ جو یکم محرم الحرام ۱۴۰۰ھ کو مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔ جن لوگوں کی وجہ سے یہ حادثہ رونما ہوا، بظاہر وہ بڑے متقی، دیندار، زاہد اور نیک لوگ تھے۔ توحید و سنت کے شیدائی تھے لیکن حدِ اعتدال سے بڑھ گئے۔ اتنے بڑھے کہ بیت اللہ کی توہین کر ڈالی۔ اسلامی شعائر کو پامال کر ڈالا۔ بے گناہ قتل ہو گئے۔ اور وہ بھی مسجد حرام کے اندر۔ حالانکہ حرم شریف کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے۔ مَنْ دَخَلَہٗ كَانَ اٰمِنًا۔ (یعنی جو حرم میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہے) بات کیا تھی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ... (یعنی "تم میں سے جو شخص کوئی منکر (برائی) دیکھے اُسے ہاتھ سے مٹا دے"....)

اس حدیث کے پیشِ نظر اُن لوگوں نے کہا: منکرات پھیل رہے ہیں، انہیں ہاتھ سے مٹانا چاہیئے۔ پہلے زبان سے ٹوکا۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ تو اُنہوں نے سوچا کہ اب ہاتھ سے مٹانا چاہیئے۔ یعنی چڑھائی کرنی چاہیئے۔ اسی زمانے میں بعض لوگوں کو خواب آنے شروع ہو گئے کہ فلاں آدمی امام مہدی ہے۔ اتفاق سے اس کا نام "محمد" تھا اور والد کا نام عبداللہ، اس کی پیشانی بھی چوڑی تھی اور رنگ بھی گورا تھا۔ کہنے لگے کہ سنن ابی داؤد میں امام مہدی کی جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں، وہ اس پر چسپاں ہوتی ہیں، یہی مہدی ہے۔ یہ نہیں دیکھا کہ ان چند نشانیوں کے علاوہ مہدی کی اور بھی بہت سی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، بس اپنے مطلب کی چند نشانیاں دیکھ لیں، اُس (محمد) کی ہونے والی بیوی نے بھی خواب دیکھا کہ اس کا ہونے والا شوہر مہدی ہو گا۔ اس کا خوب چرچا ہوا، مہدی کی ایک خاص نشانی یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مقامِ ابراہیم اور حطیم کے درمیان مسلمانوں سے بیعت لے گا۔ لہٰذا یہ سب لوگ مہدی کے ظہور کا دعویٰ کرنے کے ارادے سے صبح سویرے مکہ پہنچ گئے۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ کسی مسلمان حکمران یا حکومت کے خلاف مسلح بغاوت کرنا اُس وقت تک ناجائز بلکہ حرام ہے جب تک تم اس میں کھلا کفر نہ دیکھ لو (مَا لَمْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا) پہلے زبان سے تبلیغ کرو۔ اچھے طریقے سے سمجھاؤ۔ اُن کے پاس جا کر، لیکن مسلح بغاوت کرنا اور وہ بھی حرم میں داخل ہو کر، تو یہ حد سے بڑھ جانا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ پوری دنیا میں مسلمانوں کی رسوائی ہوئی۔ عالمِ اسلام میں ہلچل مچ گیا۔ غیر مسلم خوش ہو گئے کہ یہ ہے اسلام! یہ غلو فی الدین کی ایک مثال ہے۔

رہا مہدی کا معاملہ۔ اس کے بارے میں بھی لوگوں میں غلو پیدا ہو گیا ہے۔ ایک گروہ نے مہدی کے آنے کا سرے ہی سے انکار کر دیا ہے۔ اور اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ موضوع حدیث لے آئے۔ وَلَا مَهْدِيُّ إِلَّا عِيسٰى (یعنی حضرت عیسیٰ کے سوا کوئی مہدی ہے ہی نہیں) اس کے مقابلے میں دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم جس کو چاہیں مہدی بنائیں۔ ایک دو نشانیاں دیکھ لیں اور مہدی بنا لیا۔ دونوں ہی غلط ہیں۔ مہدی اپنے وقت پر آئے گا۔ اُس وقت یہ نہیں ہو گا کہ چند آدمی اس کے ساتھ ہوں گے بلکہ پوری اُمّت اُس کے ساتھ ہو گی۔

ہاں تو مکہ مکرمہ کے حادثے کا ذکر ہو رہا تھا چاہیئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ پہلے شیخ ابن باز اور دوسرے علماء سے جا کر پوچھتے کہ "ہمیں ایسے خواب آ رہے ہیں۔ ہمیں مہدی کے بارے میں بتائیے، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اور موجودہ صورتحال میں ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟" لیکن وہ خود ہی مفتی بن گئے۔ خود ہی قاضی بن گئے اور خود ہی حملہ آور ہو گئے۔ ظلم و ستم کا

پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اور کتنے ہی حاجیوں کا خون بہہ گیا۔ اس افسوسناک حادثے کے بعد ان حملہ آوروں کے معاملے میں بھی غلو کی شکلیں ظاہر ہوئیں۔ ایک گروہ نے اُن کی محبت میں غلو کیا اور کہا کہ "یہ تو بڑے نیک لوگ تھے۔ انہوں نے بڑا اچھا کام کیا تھا" "سب راہ حق میں شہید ہوئے ہیں" دوسرے گروہ نے کہا "نہیں، یہ سب مرتد، قطعاً کافر اور جہنمی ہیں" دونوں گروہ غلو کا شکار ہیں اور غلطی پر ہیں۔ دیکھئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اُن باغیوں کو جنہوں نے ان کا گھیراؤ کیا تھا، کافر نہیں کہا، بلکہ اپنے حامیوں سے کہا کہ "امام فتنہ کے پیچھے نماز پڑھ لو" اسی طرح جب خوارج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تو آپ نے فرمایا "یہ لوگ لڑنے آئیں تو ان سے لڑو، حملہ کریں تو ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرو، لیکن اگر یہ بھاگ جائیں تو ان کی عورتوں کو قید مت کرو اور ان کا مال مت لوٹو"

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام مزاج میں اعتدال پیدا کرتا ہے، ہر معاملہ میں اعتدال۔ کوئی گناہ جس درجہ کا ہو، اُسے اسی درجہ میں رکھو۔ اسی طرح کوئی نیکی جس درجے کی ہو، اُسے اُسی درجہ میں رکھو۔ اسی صورت میں آپ فلاح پا سکتے ہیں اور ایک صحیح اسلامی معاشرہ قائم کر سکتے ہیں اگر آپ مستحب کو فرض یا واجب قرار دے کر مسلمانوں کو کافر بنانا شروع کر دیں اور کافروں کو مسلمان بنانے کے بجائے مسلمانوں ہی کو دین سے خارج کرنے لگیں تو معاملہ ہی اُلٹ جائے گا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ ہماری شان تو یہ ہونی چاہیئے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا

(یعنی "محمد، اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم اُن کو اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی طلب میں رکوع و سجود میں سرگرم پاؤ گے" (الفتح: ۲۹)

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ اور ان کے صحابہ کی شان کیا ہے؟ ان کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱۔ یہ کافروں پر بھاری ہیں۔ کافر انہیں نرم چارہ یا تر لقمہ نہیں سمجھ سکتے۔ یہ اپنے اخلاق و کردار کے لحاظ سے بڑے مضبوط ہیں۔ کوئی ان کے کردار پر انگلی نہیں رکھ سکتا۔

۲۔ یہ آپس میں رحم دل ہیں۔ ذرا سوچیے کہ ہم بھی آپس میں رحم دل ہیں یا نہیں؟ اور یہ رحم دل کیوں ہیں؟ فرمایا کہ:۔

۳۔ تم انہیں رکوع کی حالت میں، سجدے کی حالت میں پاؤ گے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ آپس میں رحم دل ہیں۔

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ہاں مسجدیں لڑائی کا اکھاڑا بنتی جا رہی ہیں۔ کسی مسئلے پر ذرا سا اختلاف ہوا لڑائی شروع ہو گئی۔

دین میں غلو کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔ ایک صاحب جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ بڑے متبع سنت تھے۔ لیکن انہوں نے نادانستہ طور پر بائیں ہاتھ سے اشارہ کر دیا۔ سنت تو دائیں ہاتھ سے اشارہ کرنا ہے مگر ان سے نادانستہ غلطی ہو گئی۔ حاضرین میں سے ایک صاحب اس نادانستہ غلطی پر ناراض ہو کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ "خطیب صاحب خلاف سنت کام کر رہے ہیں، ان کے پیچھے نماز جائز نہیں"

جب تک افراط و تفریط کو ختم کر کے اعتدال کا راستہ اختیار نہ کیا جائے گا۔ ہمارا معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی معاشرہ نہیں بن سکتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ (یعنی اپنے دین میں غلو مت کرو)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا کرے اور ہمارے گناہ معاف فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

درسِ حدیث

(قسط ۶)

تنقیح و تہذیب، حافظ صلاح الدین یوسف

تمیمۃ الصبی فی ترجمۃ الاربعین من احادیث النبیؐ

(تالیف: حضرت والا جاہ نواب سید محمد صدیق حسن خانؒ ۔ متوفی ۱۳۰۷ھ)

۳۰۔ جنگ چالبازی ہے

حدیث سی ام

اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ ۔ متفق علیہ

"لڑائی دھوکہ اور چالبازی ہے"

فائدہ:- یعنی جنگ میں مکر و فریب کرنا منع نہیں ہے۔ مثلاً کوئی مجاہد میدانِ جنگ سے واپسی اختیار کرے اور دشمن یہ سمجھے کہ لڑائی سے بھاگ گیا ہے مگر اس کا مقصد اس پلٹنے سے دشمن کو دھوکا (جھانسا) دے کر یکایک اس پر حملہ کرنا ہو۔ اور وہ اچانک اس طرح دشمن پر غفلت میں حملہ کرکے اس کو گرائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ یہ دھوکا نہیں سمجھا جائے گا۔ یہ گویا ایک جنگی چال ہے جس کا اختیار کرنا جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے بعض دفعہ ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اور کوئی چال چلی جائے کہ کہے کچھ اور کرے کچھ اور تعریض سے کام لے تو یہ بہتر ہے۔ اور تعریض اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو ظاہر میں سچ کی صورت ہو جیسے ایک مرتبہ امام اعظم (ابو حنیفہؒ) راستے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک آدمی ادھر سے گزرا۔ وہ کسی کا مجرم تھا۔ لوگ اس کی تلاش میں پھرتے تھے۔ اس نے جو امام صاحب کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ نہ بتلانا کہ فلاں آدمی ادھر سے گیا ہے۔ وہ تو یہ کہہ کر بھاگتا ہوا چلا گیا۔ امام صاحب اس جگہ سے اٹھ کر ذرا فاصلے سے دوسری جگہ پر بیٹھ گئے۔ اتفاقاً اس کی تلاش میں سرگرداں کھوجی ادھر سے نکلے اور امام صاحب سے پوچھا کہ فلاں شخص ادھر سے گیا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا جب سے میں بیٹھا ہوں اس وقت سے تو نہیں گیا۔ تلاش کرنے والے لوگ یہ راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو گئے۔

۳۱۔ سرکہ عمدہ سالن ہے

حدیث سی و یکم۔ نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ ۔ رواہ مسلم۔

"سرکہ عمدہ سالن ہے"

فائدہ:- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ میں روٹی سالن سے نہیں کھاؤں گا، پھر وہ سرکہ سے روٹی کھالے، تو وہ شخص حانث (قسم توڑنے والا) سمجھا جائے گا کیونکہ سرکہ بھی حدیث مذکور کی رو سے سالن ہے۔ نیز دوسری روایت میں آیا ہے کہ سرکہ پیغمبروں کا سالن ہے۔ سرکے کے فائدے کتب طب میں بہت لکھے ہیں۔

۳۲۔ مہمان نوازی تین دن ہے

حدیث سی و دوم: اَلضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ۔ متفق علیہ۔ "مہمان نوازی تین دن ہے"۔

فائدہ:- نہایہ جزری میں اس حدیث کے معنی یہ لکھے ہیں کہ "تین دن بقدر مقدور (طاقت کے مطابق) کچھ تکلف کے ساتھ مہمان نوازی کرے اگر نیکی اور احسان کی گنجائش ہو۔ اور دوسرے تیسرے دن جو موجود ہو وہ مہمانوں کے سامنے پیش

کر دے۔ جو آپ کھائے بلا تکلف اسے بھی کھلائے۔ اس کے بعد اس کو اتنا زادِ راہ دے دے کہ ایک رات دن کا سفر طے ہو سکے" مہمان اپنے (مقدر میں لکھی ہوئی) روزی کھاتا ہے۔ اور ثواب میزبان کو ملتا ہے ؎

شکر بجا آر کہ مہمانِ تو
روزیِ خود می خورد از خوانِ تو

حدیث میں آتا ہے کہ مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے۔ اور جب جاتا ہے تو گھر والوں کے گناہ لے جاتا ہے اور یہ بھی روایت ہے ایک مسلمان بھائی کے گھر میں مہمان ہزار برکتیں اور ہزار رحمتیں لے کر داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ مسافر وغیرہ کی مہمان نوازی کرنا اپنے گھر والوں اور بھائی بندوں پر برکت و رحمت کا دروازہ کھولنا ہے۔ اور سنت یہ ہے کہ میزبان مہمان کو رخصت کے وقت گھر کے دروازے تک اس کے ساتھ جائے اور مہمانی سے آخرت میں ثواب اور دنیا میں نیک نامی حاصل ہوتی ہے ؎

بزرگاں مسافر بجاں پروردند
کہ نامِ نکوشاں بہ نیکی برند

حدیث سی و سوم ۳۳

۳۳۔ نظر کا لگنا برحق ہے

اَلْعَیْنُ حَقٌّ۔ رواہ مسلم

"نظر کا لگ جانا برحق ہے"

فائدہ:۔ یعنی آدمی یا کسی چیز کو ایسے موقعوں پر نظرِ بد لگ جانا جب کسی کی آنکھ کو بھا جائے، اچھی لگے، ایسے اثرات (جادو کی طرح) بعض نفوس میں اللہ نے رکھے ہیں، جو تقدیر الٰہی سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر الٰہی پر سبقت کرنے والی ہوتی تو وہ نظر لگنا ہوتا۔ اور نظر لگنا قرآن سے بھی ثابت ہے۔ اسی لئے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی۔ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ (سورہ یوسف ۶۷)

ترجمہ:۔ اے بیٹو! ایک ہی دروازے سے (مصر میں) داخل نہ ہونا بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، میں تم کو اللہ تعالےٰ کی کسی چیز سے نہیں بچا سکتا"۔ الاکلیل (فی استنباط التنزیل للسیوطیؒ) میں لکھا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ چشم بد کی تاثیر حق ہے۔

(شرح السنۃ) حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ عامر بن ربیعہ نے سہل بن حنیف کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا "بخدا میں نے ایسا حسین وجمیل بدن آج تک کسی مرد اور عورت کا نہیں دیکھا جیسا سہل کا جسم ہے"۔ پس حضرت سہیلؓ کو نظر لگ گئی اور وہ زمین پر گر پڑے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ اس طرح سہل بن حنیف نہلاتے نہاتے زمین پر گر پڑے ہیں۔ اور بدستور ان کی یہی حالت ہے آپ اس کے لئے کچھ کریں۔ آپ نے پوچھا کہ تمہیں کسی پر شک ہے کہ اس کی نظر لگی ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہاں عامر بن ربیعہ پر گمان ہے (کہ وہ اس وقت وہاں سے گزرے تھے) آپ نے حضرت عامرؓ کو بلایا اور اس پر بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ کیوں تم اپنے کسی بھائی کو ہلاک کرتے ہو؟ ایسے موقعہ پر برکت کی دعاء کیوں نہ کی؟ پھر آپ نے ان کو حکم دیا کہ سہلؓ کے لئے غسل کرو۔ حضرت عامرؓ نے اپنا منہ، دونوں ہاتھ، کہنیاں، زانو، پاؤں کی انگلیاں اور ان اعضاء کو جو ازار کے اندر تھے۔ ایک برتن میں دھویا۔ پھر وہ پانی حضرت سہلؓ کے اوپر ڈالا گیا۔ پس سہل اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اس طرح چلنے پھرنے لگے گویا انہیں کچھ نہ تھا یعنی فی الفور صحت یاب ہو گئے۔

تمام علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جان، مال اور دیگر اشیاء کو، جو کسی کی نظر میں اچھی لگیں، نظر لگ جانا ثابت و محقق ہے۔ البتہ اس کی کیفیت میں اختلاف ہے۔

بعض نظر لگانے والوں کا کہنا ہے کہ جب ہم کسی چیز کو اچھا سمجھ کر دیکھتے ہیں تو ایک حرارت ہماری آنکھوں سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نظر لگانے والے کی آنکھ سے ایک زہر بھری قوت نکل کر اور ہوا سے مل کر معیون (نظر زدہ)

(باقی صـــ پر)

احکام و مسائل

مولانا ابوالسلام محمد صدیق۔ سرگودھا

قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق جلانے کا مسئلہ

سوال:۔ حافظ غلام علی چک ۹۲ جنوبی سرگودھا نے حنفی مذہب کے ایک مفتی صاحب سے مسئلہ دریافت کیا کہ قرآن مجید کے بوسیدہ اور پھٹے ہوئے اوراق جو قابلِ استفادہ نہیں اُن کا جلانا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟۔

جواب:۔ اس استفتاء کے جواب میں انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا اس کا اقتباس اختصاراً حسب ذیل ہے۔

"ایسے اوراق کو تلف کرنا درست ہے اور تلف کرنے کے چار ہی طریقے ہیں۔

(۱) الفاظ کو پانی سے دھونا (۲) دریا میں بہانا
(۳) آگ میں جلانا (۴) گڑھے میں دفن کرنا "

مفتی صاحب نے چوتھے طریقے کو باقی تین طریقوں پر ترجیح دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "پہلے طریقے پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ دوسرے اور تیسرے طریقے یعنی دریا میں بہانے اور آگ میں جلانے میں قرآن مجید کی بے ادبی ہے۔ حضرت عثمان رضؓ نے جو قرآن مجید کے نسخے جلائے تھے وہ صحیح قرآن مجید کے نسخے نہیں تھے بلکہ اُن میں عجمیوں نے غلط الفاظ درج کر دیئے تھے۔ یا کم علمی کی وجہ سے یا قصداً قرآن مجید کو خلط ملط کرنے کے لئے۔ مگر اب جن اوراق کو جلا دیا جائے گا وہ تو صحیح قرآن مجید ہے۔ اس لئے بے ادبی ضرور ہے اگرچہ جائز ہے مگر اَولیٰ نہیں ہے۔ اور ایسا کرنے والا مرتکب کبیرہ گناہ نہیں بلکہ صرف یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ کرے"

تبصرہ ہماری نظر میں مفتی صاحب کا یہ فتویٰ بلا دلیل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلافتِ صدیقی میں اہلِ یمامہ کے ساتھ جنگ جاری تھی اور سات سو کے قریب ایسے قاری شہید ہو چکے تھے جن کے سینوں میں قرآن مجید محفوظ تھا۔ جنگ بند نہ ہونے کے باعث باقی قراء کے ہلاک ہو جانے کا شدید خطرہ درپیش تھا۔ حضرت عمرؓ کے مشورے سے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زید بن ثابتؓ کو قرآن مجید جمع کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت قرآن مجید کی آیات کھجور کی ٹہنیوں، پتھر کی پتلی سلوں اور ہڈیوں پر لکھی ہوئی بعض صحابہ کے پاس موجود تھیں اور بعض کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے قرآن مجید کو اس ترتیب سے جمع کیا جس ترتیب سے حضرت جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دَور کیا تھا۔ اس جمع کا مقصد قرآن مجید کو مکمل اور صحیح طور پر محفوظ کرنا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دورِ خلافت میں قرآن مجید کا یہ نسخہ ان کے پاس رہا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی تحویل میں لے لیا اور جب حضرت عمرؓ فوت ہوئے تو یہ نسخہ ان کی بیٹی حضرت حفصہؓ کو ملا۔

حضرت عثمانؓ نے جب آرمینیہ اور آذربیجان کے فتح کرنے کے لئے اہلِ شام اور اہلِ عراق کو جنگ لڑنے پر آمادہ کیا۔ اس وقت حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ پہلے اہلِ شام اور اہلِ عراق کے درمیان جو قراءت کا اختلاف شدت کی صورت اختیار کر چکا ہے اس کو ختم کیا جائے۔ اہلِ شام حضرت ابی بن کعبؓ کی قراءت کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے جبکہ اہلِ عراق حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کی قراءت کو پسند کرتے تھے۔ اہلِ شام اور اہلِ عراق ایک دوسرے کی قراءت کے سختی سے منکر تھے۔ اور ایک دوسرے کی تردید کرتے تھے۔ خطرہ تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح قرآن مجید میں تحریف

کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ اس دروازے کو بند کرنے کے لئے
حضرت عثمان رض نے حضرت حفصہ رض سے قرآن مجید کا وہ نسخہ منگوایا
جو حضرت عمر رض کی وفات کے بعد اُن کو ملا تھا حضرت عثمان رض
نے زید بن ثابت رض، عبداللہ بن زبیر رض، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن رض
بن حارث بن ہشام ان چاروں کو حضرت حفصہ رض کے قرآن مجید
کے مطابق چند مصاحف لکھنے پر مامور کیا۔ ایک روایت کے
مطابق انہوں نے چار اور دوسری روایت کے مطابق انہوں نے
سات مصاحف لکھے۔ چار مصاحف کی روایت کے مطابق
ان میں سے ایک کوفہ، ایک بصرہ اور ایک شام کی طرف بھیجا۔
اور ایک حضرت عثمان رض نے اپنے پاس رکھا۔ اور جس روایت
میں سات کا ذکر ہے۔ اُن میں سے ایک مکہ، ایک شام، ایک
یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ کی طرف بھیجا اور ساتواں
آپ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ اور حضرت حفصہ رض کے مصحف اور
ان لکھے ہوئے مصاحف کے ماسوا باقی تمام مصاحف کو نذر آتش
کر دیا۔ تاکہ لوگ ایک ہی قراءت پر جمع ہو جائیں۔ آپ نے لکھنے
والوں کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ اگر تمہارے اور حضرت زید بن
حارث رض کے درمیان کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ قریش
کی لغت کے مطابق کیا جائے اس لئے کہ قرآن مجید ان کی زبان
میں اُترا ہے۔ (قسطلانی ص ۴۴۹ ج ۷)

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ
حضرت عثمان رض نے باقی مصاحف کو جلانے کا حکم اس لئے نہیں
دیا تھا کہ وہ قرآن مجید کے نسخے نہیں تھے اور ان میں عجمیوں نے
غلط الفاظ درج کر دیئے تھے بلکہ اُن کے مصاحف میں صرف
قراءت کا اختلاف تھا۔ اور اس اختلاف کی بناء پر یہ فیصلہ کرنا کہ
وہ قرآن مجید نہیں تھا۔ علم حدیث اور تاریخی واقعات سے بے علمی
کا نتیجہ ہے۔ دوسری بات جو اس سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے
کہ حضرت عثمان رض نے جو مصحف لکھوائے تھے وہ بعینہ حضرت
حفصہ رض کے مصحف کی نقل تھی جسے حضرت زید بن ثابت رض نے
جو کاتب وحی بھی تھے، خلافت صدیقی میں جمع کیا تھا۔ مفتی صاحب
کا یہ ارشاد کہ وہ قرآن صحیح نہ تھا اس کی تردید خود حدیث کے
الفاظ سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ "اَمَرَ بِمَا سِوَاهُ
مِنَ القُرآنِ اَنْ یُّحْرَقَ۔ یعنی حضرت عثمان رض نے
اس کے سوا قرآن کو جلانے کا حکم دیا" اس کی شرح کرتے ہوئے
حنفی مذہب کے مشہور عالم مولانا ادریس کاندھلوی رح نے تعلیق
الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح ج ۳ ص ۴۲ ۔ ۴۳ پر تحریر
کیا ہے۔

"اختلف العلماء فی ورق المصحف البالی
اذ لم یبق فیہ نفع ان الاولیٰ ھو الغسل او الاحراق
فقیل الثانی لانہ یدفع سائر صور الامتہان
بخلاف الغسل فانہ تداس غسالتہ وقیل الغسل
وتصب الغسالۃ فی محل طاھر لان الحرق فیہ
نوع اھانۃ قال ابن حجر وفعل عثمان یرجح
الاحراق۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ "علماء کا اختلاف ہے کہ بوسیدہ قرآن مجید کے
اوراق جو غیر مفید ہیں اُن کا کیا کیا جائے۔ دھونا چاہیئے یا جلایا
جائے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جلانا بہتر ہے اس لئے کہ اس
میں بے ادبی کی تمام صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ برخلاف دھونے
کے۔ اس صورت میں وہ پانی جس سے حروف دھوئے جاتے
ہیں پاؤں کے نیچے آجاتا ہے اور اس میں بے ادبی ہے بعض
نے کہا ہے کہ دھونا بہتر ہے اور دھو کر پانی کو پاک جگہ پر بہا دیا
جائے۔ اس لئے کہ جلانے میں ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ اور
حافظ ابن حجر رح نے کہا ہے کہ فعل عثمان رض سے جلانے والے مسلک
کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔" واللہ اعلم

میں یہ کہتا ہوں کہ دھونے کی یہ صورت ناممکن ہے۔
اس لئے کہ مطبوعہ اوراق کے حروف دھوئے نہیں جا سکتے۔
جیسا کہ مفتی صاحب نے اپنے فتویٰ میں تسلیم کیا ہے۔ حافظ
ابن حجر رح نے حضرت عثمان کے فعل کی روشنی میں جلانے کو ترجیح
دی ہے۔ ہمارے نزدیک بھی قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو

جلانا سب صورتوں سے بہتر اور راجح ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سلف صالحین کے دور میں قرآن مجید کے بوسیدہ اوراق کو دھونے، دفن کرنے یا دریا میں بہانے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ جلانے کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف کو جلا دیا تھا۔ اگر اس میں بے ادبی کا کوئی پہلو نکلتا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے۔ البتہ اگر کوئی شخص توہین کی نیت سے قرآن مجید کا کوئی ورق جلاتا ہے تو وہ کافر ہے۔

سوید بن غفلہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا "لاتقولوا لعثمان فی احراق المصاحف الاخیرا" یعنی "حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو قرآن مجید جلائے ہیں اس معاملے میں انہیں اچھے الفاظ سے یاد رکھو"۔ مصعب بن سعد فرماتے ہیں کہ میں نے بے شمار لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قرآن مجید جلانے پر انہیں اچھی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور کسی نے بھی ان کے اس فعل کا انکار نہیں کیا۔ ابن بطال اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان خطوط کا جلانا جائز ہے جن پر اللہ کا نام ہو اور اسی میں ان کا ادب ہے اور قدموں کے نیچے آنے سے بچ جاتے ہیں عبدالرزاق نے طاؤس کی سند سے روایت کیا ہے کہ وہ ان خطوط کو جلا دیتے تھے جن پر "بسم اللہ" ہوتی تھی۔ حضرت عروہ رحمہ اللہ کا بھی یہی فعل ہے۔ ابراہیم رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ جانا ہے۔ ابن عطیہ نے کہا کہ جلانے کا مسئلہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وقت میں تو صحیح تھا۔ اور آج کل دھونا بہتر ہے۔ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارے احناف کے نزدیک قرآن مجید جب بوسیدہ ہو جائے۔ اور اس سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے تو کہیں دور پاک مکان میں دفن کر دیا جائے۔ ملا علی قاری حنفی نے دھونے کو اختیار کیا ہے بلکہ کہا ہے کہ اس کا پانی پی لیا جائے۔ حنفی ائمہ کا یہ کہنا بلا دلیل ہے۔ احتیاط جلانے میں ہے دفن کرنے میں نہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلانے کو اختیار کیا ہے۔

بقیہ • درس حدیث

کر جا لگتی ہے۔ زہر کی مانند کہ وہ زہر سانپ بچھو سے نکل کر کاٹے ہوئے میں اثر کرتا ہے۔ بہرحال ایک چیز تیر کی مانند عاین (نظر لگانے والے) کی طرف سے معیون (نظر زدہ) کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ اگر درمیان میں کوئی مانع نہ ہوا تو کارگر ہے اور اگر کوئی مانع قوی حائل ہوا جیسے دعا، تعویذ وغیرہ تاثیر سے باز رہتی ہے۔ اور کبھی بہ سبب قوت مانع کے تیر پھر کر خود عاین پر جا گرتی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح سے بعض نفوس میں یہ خاصیت رکھی ہے۔ اسی طرح بعض نفوس کو قوت دفع بھی بخشی گئی ہے۔ (باقی)

بحث و نظر

مولانا محمد عطاء اللہ حنیف مدظلہ العالی

چند سوال اور اُن کے جواب

امام زھری • مسئلہ فدک • حدیث قرطاس • احادیثِ صحیحین

وال :- ایک دوست نے ایک مکتوب بھیجا ہے جس میں وہ
طراز ہیں۔

رسالہ الفاروق" چوکیرہ (سرگودھا) کی اشاعت یکم جولائی
۹۰ء میں لکھا گیا ہے۔

- ابن شہاب زہری شیعہ تھا۔
- بخاری شریف کی حدیث فدک جس میں عفضبت فاطمۃ

ابی بکر ہے۔ موضوع ہے۔ اس کے واضع جاحظ اور ابو العیناء
" اور اللآلی المصنوعۃ للسیوطی کی یہ عبارت لکھی ہے
ن ابی العیناء قال انا والجاحظ وضعنا حدیثا
خلنا ہ علی الشیوخ ببغداد فقبلوہ الا ابن
شیبۃ العلوی فانہ قال لا یشبہ اٰخر ھذا
دیث اولہ وابیٰ ان یقبلہ وکان ابو العیناء یحدث
ذا بعد ما تاب" پھر جامع الاصول کے حوالے سے
ہے کہ یہ حدیث فدک کے بارے میں تھی۔

- " ایتونی والا قصہ بے بنیاد ہے"
- محدثین سے منقول ہے کہ صحیحین میں دو سو دس حدیثیں

ف ہیں۔ جن میں سے بخاری کی اسی ۸۰ ہیں۔

پھر انہوں نے دریافت فرمایا ہے۔

۱) کیا ابن شہاب زہری شیعہ تھے؟ کیا محدثین کو اس کا
نہ ہو سکا۔

۲) کیا حدیث قرطاس۔ حدیث فدک اور ہم جیسی دیگر سے
ل حدیثیں موضوع ہیں؟ اگر یہی بات ہے تو پھر بخاری و مسلم

کو صحیحین کیوں کہا جاتا ہے"۔

اس کے بعد مکتوب نگار لکھتے ہیں۔

" ہمارے علاقے کے چوکردی (حنفی) حضرات نے آج کل یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ بخاری و مسلم کی جس حدیث پر شیعہ حضرات کی جانب سے کوئی اعتراض عائد ہو جائے یہ لوگ اس کو موضوع، ضعیف، یا اس کے راویوں کو شیعہ کہہ کر مسترد کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے اس رویے کو دیکھ کر بعض لوگ اس سوچ میں پڑ گئے ہیں کہ کیا واقعی صحیحین میں بھی رطب و یابس موجود ہے؟ یا ایسے ویسے لوگوں نے احادیث سے بدگمان کرنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا ہے ——— ! براہ کرم متذکرہ امور پر روشنی ڈالی جائے۔!

جواب

ان شبہات کا جواب کافی تفصیل چاہتا ہے۔ موجودہ صحبت میں چند اشارات ہی ممکن ہیں۔

(۱) کج بحث مناظرہ باز لوگوں کی یہ کمزوری ہوتی ہے کہ فریقِ مخالف کو شکست دینے اور اس پر الزام قائم کرتے وقت نتائج و عواقب کی پروا نہیں کرتے۔ نہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کی زد کہاں جا کر پڑے گی۔ مثلاً یہی باغ فدک والا معاملہ ہے جو صدیوں سے مابہ النزاع چلا آ رہا ہے۔ اہلِ علم و تحقیق اہل سنت نے اس مسئلے کو خوب حل کیا ہے۔ مگر بعض لوگ ہیں کہ جوش میں آ کر اسے مقابلۃ الباطل بالباطل کے طریقے پر حل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اہل سنت والجماعۃ کے متفقہ امام حضرت ابن شہاب زہری تک کی تضعیف بھی ان خام علموں نے شروع کر دی۔ حالانکہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی صحابہؓ کے صحبت یافتہ

اور عقائد و فقہ اسلامی سے متعلقہ احادیث صحیحہ کے کثیر ذخیرے کے راوی ہیں۔ جس ذخیرے پر احکام شرعیہ کا بہت حد تک دار و مدار ہے۔ جس کی بنا پر حدیث پاک کا مخالف ٹولہ مستشرقین کی تقلید میں ان کی اہمیت گرانے کے درپے ہے۔ مزید یہ کہ انہوں نے ہی ابن شہاب زہری کے شیعہ ہونے کا پروپاگنڈا بھی کیا ہے۔ افسوس ہے کہ بعض مناظرہ باز حضرات بھی اس کا شکار ہو گئے۔ سچ فرمایا حافظ ابن قیم نے

هما ضران على الدين ضرر من يطعن فيه و ضرر من ينصره بغير طريقه (مفتاح دار السعادة ص۵۵) یعنی "اسلام کو دونوں نے نقصان پہنچایا ہے۔ اس پر معترضین نے بھی، اور غلط طریقے سے مدافعت کرنے والوں نے بھی۔"

(۲) امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت، عدالت، حفظ و اتقان، اہلحدیث اور فقہائے مذاہب اربعہ کے ہاں مسلم ہے۔ مصطلح تشیع سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ اہل سنت علمائے کرام کے تذکروں اور رجال کی کسی بھی کتاب میں ان کو شیعہ نہیں قرار دیا گیا ہے۔

اس سلسلے میں منکرین حدیث کے جواب میں ہمارے علمائے اہل حدیث کافی کچھ لکھ چکے ہیں۔ مولانا حافظ محمد اسحاق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ غزنویہ لاہور کا ایک مفصل مضمون ماہنامہ "رحیق" میں چھپا موجود ہے جس میں امام زہریؒ پر کئے گئے اعتراضات کا وافی شافی جواب دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس وقت تفصیل غیر ضروری ہے۔

(۳) صحیح بخاری کی وہ روایت جس کو مکتوب نگار نے نقل کیا ہے اس حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ جس میں حضرت فاطمہؓ کا صدیق اکبر سے اپنے حصۂ میراث کے مطالبہ کا ذکر ہے۔ یہ روایت اعلیٰ درجے کی صحیح ہے۔ اس کو کسی بھی صاحب علم و تحقیق اہل سنت نے ضعیف نہیں کہا۔ چہ جائیکہ (معاذ اللہ) اسے موضوع کہہ دیا جائے۔ حضرات شیعہ کا اس مسئلے کے متعلق جو نقطۂ نظر ہے وہ صدیوں پرانا ہے۔ ساتویں صدی ہجری تک کی تاریخ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ جب سے اب تک علمائے اہل سنت اس کے متعلق شیعوں کے مزعومات کی تردید کرتے آئے ہیں۔ مگر کسی ذی علم نے نہ حضرت امام زہریؒ کو شیعہ کہا نہ اس روایت ہی کی تضعیف کی۔ اور پھر اس روایت میں کون سی ایسی بات ہے جس کے لئے یہ خام علم اتنے پریشان ہو ہو جاتے ہیں۔

(۴) حضرت فاطمہؓ کے اس مطالبہ کے جواب میں جناب صدیق اکبرؓ نے یہ حدیث بیان کر کے معذوری ظاہر کر دی۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قا[ل] لا نورث ما تركنا صدقة (صحیح بخاری)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ہم انبیا[ء کا] ورثہ تقسیم نہیں ہوتا۔ وہ صدقہ ہی رہے گا۔"

بلاشبہ صدیق اکبرؓ اپنے اس بیان میں صادق، او[ر] "ان اموال" کے نہ تقسیم کرنے میں حق بجانب تھے۔ یہی وجہ ہے [کہ] کسی بھی صحابی، حتیٰ کہ حضرت علیؓ تک نے بلکہ خود حضرت فا[طمہؓ] نے بھی صدیق اکبرؓ کی تغلیط نہیں کی بلکہ قولاً و عملاً ان کی تصد[یق] کر دی۔ علاوہ ازیں یہ حدیث صدیق اکبرؓ کے سوا بڑے بڑے صح[ابہ] مثلاً فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضےٰ، عباس، عبدالرح[من] بن عوف، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابوہریرہ، عائش[ہ] رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے بھی مروی ہے۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں۔ والرواية عن هؤلاء ثابتة في الصح[اح] والمسانيد مشهورة يعلمها اهل العلم بالحد[يث]

(۵) صدیق اکبرؓ کے اس جواب سے قدرۃً حضرت فاطم[ہؓ] وقتی طور پر ملول خاطر ہوئیں۔ اور آپ کا یہ "غضب" اہل سنت [کے] نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ انسانی کمزوری تھی ج[س کی] وجہ سے اس غصہ کا صدور آپ سے ہو گیا۔ معصوم تو آپ [تھیں] ہی نہیں کیونکہ ازروئے تحقیق عصمت صرف انبیاء علیہم ال[سلام] کا خاصا ہے۔ تاہم ایسی چھوٹی موٹی باتوں سے آپ کے علو مرت[بت] واقعی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں ج[و]

لہ منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۵۰۔ نیز دیکھئے البدایۃ والنہایۃ ج ۵

ہراً بنا بر حکم بشریت در غضب آمدہ باشند[1] آٹھویں صدی
ری کے نامور مفسر، محدث، مورخ اور فقیہ حافظ ابن کثیر رح
تے ہیں۔ واما تغضب فاطمۃ رضی اللہ عنہا و
ضاھا علی ابی بکر فما ادری ما وجہ فان
ان لمنعہ ایاھا ما سألتہ من المیراث فقد
تذر الیھا بعذر یجب قبولہ وھی ممن تنقاد
ی الشارع الذی خفی علیھا قبل سوالھا المیراث
ن کان غضبھا لاجل ما سألت الصدیق اذا
نت ھذہ الاراضی صدقۃ لا میراثا ان یکون
جھا ینظر فیھا فقد اعتذر بما حاصلہ انہ
کان خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
و یری ان فرضاً علیہ ان یعمل بما کان
ملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویلی ما
ن یلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتھی
خصاً[2] دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ وھی امرأۃ من
ت آدم تأسف کما یاسفون ولیست بواجبۃ
عصمۃ مع وجود نص رسول اللہ صلی اللہ علیہ
لم ومخالفۃ ابی بکر الصدیق[3]

(۶) اگر حضرت فاطمہؓ کا یہ "غضب" اگر صدیق اکبرؓ کے حق میں
ب تنقیص ہو سکتا ہے تو حضرت علیؓ کے بعض اوقات کے
ضاب" کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں۔
"غضب حضرت زہراؓ برامیر در مقدمات خانگی
ا بوقوع آمدہ ازاں جملہ وقتیکہ خطبہ بنت ابی جہل برائے خود

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۸ [2] البدایہ ص ۲۸۷ ج ۵
[3] البدایۃ ص ۲۸۹ ج ۵۔ اس مسئلے پر حافظ ابن تیمیہؒ نے
اج السنۃ ص ۱۶۹ جلد ۲ اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص ۱۴۱
۲ میں بڑی تفصیلی بحث کی ہے۔ جسے بخوف طوالت
ں ذکر نہیں کیا گیا۔

نمودند حضرت زہراؓ گریاں پیش پدر خود رفت و بہمیں تقریب
آں جناب ایں خطبہ فرمود کہ الا ان فاطمۃ بضعۃ منی یوذینی
ما اذاھا و یریبنی ما ارابھا فمن اغضبھا اغضبنی[1]

واضح رہے کہ یہی "اغضاب" والی حدیث ہے جس کی
بنا پر حضرات شیعہ صدیق اکبرؓ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔
اور اسی کو سامنے رکھ کر اب بعض خام قسم کے اہل سنت صحیح بخاری
کی زیر بحث روایت کا انکار کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ لطف یہ کہ یہ
حدیث "اغضاب" بھی صحیح بخاری ہی میں ہے (باب مناقب فاطمہؓ)
حالانکہ دونوں میں کوئی منافات ہے نہ کوئی استحالہ، ہر ایک کا اپنا
ایک محل ہے، جیسا کہ محققین اہل سنت کے رویے سے ظاہر ہوتا
ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نہجرتہ فاطمۃ نقل کر کے
فرماتے ہیں۔ وھذا الھجران والحالۃ ھذہ فتح
علی فرقۃ الرافضۃ شراً عریضاً وجھلا طویلا
وادخلوا انفسھم بسببہ فیما لا یعنیھم ولو
تفھموا الامور علی ما ھی علیہ لعرفوا للصدیق
فضلہ وقبلوا منہ عذرہ الذی یجب علی کل
احد قبولہ ولکنھم طائفۃ مخذولۃ وفرقۃ
مرذولۃ یتمسکون بالمتشابہ ویترکون الامور
المحکمۃ المقدرۃ عند ائمۃ الاسلام من الصحابۃ
والتابعین فمن بعدھم من العلماء والمعتبرین
فی سائر الاعصار والامصار رضی اللہ عنھم
وارضاھم اجمعین[2]

(۷) مگر بربنائے بعض روایات یہ ناراضگی بھی باقی نہیں رہی۔
صدیق اکبرؓ کے طرز عمل اور باہمی افہام و تفہیم کے بعد معاملات
درست ہو گئے جیسا کہ اہل سنت کی متعدد کتابوں میں موجود ہے۔
مثلاً علامہ محب طبری المتوفی ۶۹۴ھ لکھتے ہیں۔

[1] تحفہ ص ۳۱۸ نیز ملاحظہ ہو منہاج ص ۱۷۰ ج ۲
[2] البدایۃ ص ۲۸۷ جلد ۵

عن الاوزاعی قال بلغنی ان فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضبت علی ابی بکر فخرج ابوبکر حتی قام علی بابہا فی یوم حار ثم قال لا ابرح مکانی حتی ترضی عنی بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدخل علیہا لترضی فرضیت خرجہ ابن السمان فی الموافقۃ[۱] اسی سے ملتی جلتی ایک روایت البدایۃ والنہایۃ (ص ۲۸۹ ج ۵) علامہ عینی حنفی کی شرح صحیح بخاری (ص ۱۲۲ ج ۷) فتح الباری (ص ۱۴۱ ج ۳ طبع دہلی) وغیرہ میں بھی ہے جس کی سند کے متعلق حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں ھذا اسناد جید قوی[۲] الٰہی تصرفات دیکھیئے کہ خود شیعی مصنفین کو بھی یہ روایت تسلیم ہے۔ وللہ الحمد[۳]

بحضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔ حضرت صدیق .... با حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا و سائر اہل بیت آں قدر ملاطفت فرمود کہ جبر نقصان آں آزردہ گیہا شد[۴] - ان روایات کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ رضہ کے مطالبہ کے جواب میں صدیق اکبر رضہ نے فرمایا - انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اِنَّ اللّٰہَ اِذَا اَطْعَمَ نَبِیًّا طُعْمَۃً ثُمَّ قَبَضَہٗ جَعَلَہٗ لِلَّذِیْ یَقُوْمُ مِنْ بَعْدِہٖ فَرَاَیْتُ اَنْ اَرُدَّہٗ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ قَالَتْ فَاَنْتَ وَمَا سَمِعْتَ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم[۵] تو آپ نے تسلیم کر لیا وفی لفظ انت و

رسول اللہ اعلم و رجعت خرجہ ابن السمان فی المو...
یعنی "حضرت فاطمہ رضہ یہ فرما کر "آپ جانیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" واپس گھر تشریف لے گئیں۔

ابن کثیر کی تحقیق

حافظ ابن کثیر نے ایک اور طر... سے بھی ان تاریخی روایات پ... تحقیقی گفتگو کی ہے جس کی روشنی میں کوئی اشکال باقی نہیں رہنا چاہیئے۔ آپ حضرت فاطمہ رضہ کی وفات کے ذکر میں لکھتے... ولما مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالت... من ابی بکر المیراث فاخبرھا ان رسول اللہ صلی... علیہ وسلم قال "لا نورث ما ترکنا فھو صدقۃ" فسألت ان یکون زوجہا ناظرا علی ھذہ الصدقۃ... فابی ذلک وقال انی اعول من کان رسول اللہ... یعول وانی اخشی ان ترکت شیئا مما کا... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ان اضل... وواللہ لقرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اح... الی ان اصل من قرابتی فکانھا وجدت فی نفس... من ذالک فلم تبغضہ مدۃ حیاتہا فلما مرض... جاءھا الصدیق فدخل علیہا فجعل یترضاھ... وقال واللہ ما ترکت الدار والمال والاھ... والعشیرۃ الا ابتغاء مرضاۃ اللہ ومرضاۃ رسو... ومرضاتکم اہل البیت فرضیت رضی اللہ عنہ... رواہ البیہقی عن الشعبی وھذا مرسل حسن باسنا... صحیح[۱] یعنی" فاطمہ رضہ نے اپنے مطالبہ میراث کے جواب میں صدیق اکبر رضہ سے حدیث سن کر یہ چاہا کہ ان اموال کی تولیت ہی کم از... حضرت علی رضہ کے سپرد کر دی جائے مگر صدیق اکبر رضہ نے اس انداز... تقسیم کو بھی منشائے نبوی کے خلاف سمجھتے ہوئے قبول کرنے...

---

[۱] الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ص ۱۵۷ ج ا نیز دیکھیئے تحفہ اثنا عشریہ طبع لکھنؤ (ص ۲۷۹) [۲] البدایۃ ص ۲۸۹ ج ۵ - [۳] نصیحۃ الشیعہ ص ۱۴۶ ج ۲ بحوالہ سلیم بحرانی شرح نہج البلاغہ نیز تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۷۹ [۴] ازالۃ الخفاء ص ۲۹ ج ۲ [۵] البدایۃ ص ۲۸۹ ج ۵ بحوالہ مسند امام احمد واصلہ فی ابوداؤد ص ۱۰۵ ج ۳ مع العون - ترمذی کما ذکرہ الحافظ فی الفتح ص ۱۴۱ ج ۳ -

[۱] الریاض النضرۃ ص ۱۷۰ ج اول
[۲] البدایہ ص ۳۳۳ ج ۶ ۔

ندری کا اظہار کر دیا تو یہ معقول عذر بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ
الٰی عنہا پر ایک طرح سے بار ہوا۔ تاہم صدیق اکبرؓ بنفسِ نفیس
رت زہراءؓ کے پاس ــــ ان کے ایامِ مرض میں ــــ
ریف لے گئے اور ان کو راضی کر لیا "

اس رضامندی کی ایک اہم دلیل وہ وصیت ہے جو حضرت
رضؓ نے مرض الموت میں فرمائی کہ " حضرت اسماء بنت عمیس ــ
لق اکبرؓ کی اہلیہ محترمہ ــ آپ (حضرت فاطمہؓ) کے غسل
نے میں شریک ہوں " اور یہ کہ " ان کے مشوروں پر عمل کیا جائے "
بما ان حضرتہا الوفاۃ اوصت الی اسماء بنت
میس رضؓ ــ امرأۃ الصدیق ــ ان تغسلہا ۞

غور کیجئے یہ ہے ان پاک نفوس کا طرزِ معاشرت ــ ! اور
ب یہ لوگ ہیں کہ چودھویں صدی تک ان میں " نزاعات " کے
سانوں کو ہوا دیتے چلے آ رہے ہیں ۔

فعِ تعارض

مذکورہ روایتوں کا حضرت عائشہؓ کے ان الفاظ سے بظاہر تعارض معلوم
ہوتا ہے جو صحیح بخاری میں وارد ہے ۔ فھجرت ابابکر
لم تزل مھاجرتہ حتی توفیت (صحیح بخاری باب فرض الخمس)

مگر یہ ظاہری تعارض بہ آسانی یوں رفع ہو سکتا ہے کہ یہ
ہجران " صرف اس مطالبے کے بارے میں تھا مطلب یہ کہ حدیث
نے کے بعد آپ نے مطالبہ چھوڑ دیا ۔ فتح الباری میں ایک روایت
کے لفظ یوں نقل ہوئے ہیں ۔ فلم تکلمہ فی ذلک المال
ینی " اس مال " کے بارے میں گفتگو ترک کر دی ۔ اور یہ بھی ہو
سکتا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کو صدیقؓ و زہراءؓ کے
معاملات کے درست ہونے کا علم نہ ہو سکا اور انہوں نے یہی
سمجھے رکھا کہ یہ ناراضگی آخر تک رہی خصوصاً ابن کثیر کی توجیہ
کی بناء پر ۔

ان وجوہ تطبیق کے بعد کسی روایت کی تغلیط کی ضرورت
بھی باقی نہیں رہتی اور نہ ہی کسی صحابیؓ پر کوئی حرف آتا ہے فللہ الحمد ۔

(۸) اللہ تعالیٰ جہالت سے بچائے ۔ چونکہ یہ دوست
عجیب مغالطوں کا شکار ہو گئے ۔ ان کو صحیح بخاری کی روایت کا
صحیح مطلب سمجھ میں نہ آیا تو پریشان ہو گئے ۔ ادھر آپ نے کہیں
سے سن پایا کہ اللآلی المصنوعۃ میں دو کاذبوں کا اعترافِ
کذب نقل کیا گیا ہے ۔ پھر جامع الاصول سے یہ نقل کہیں دیکھ لی کہ
یہ کذب " فدک " کے متعلق تھا بس آپ نے یہ قرار دے کر " پریشانی "
دور کرنے کی کوشش کی کہ ہو نہ ہو فدک والی یہ گھڑی ہوئی روایت
صحیح بخاری ہی کی ہو گی ۔ اور یہی اس اعترافِ کذب کا مصداق ۔
پس صحیح بخاری کی یہ روایت (معاذ اللہ) موضوع ہے ۔ دیکھئے
ان ظنونِ فاسدہ ظلمات بعضہا فوق بعض سے بات کہاں
سے کہاں پہنچا دی گئی ۔ (حالانکہ وہاں فدک سے مراد وہ دوسری
طویل روایت ہے جو بہ تحقیق محدثین و شہادت عقل یقیناً
موضوع اور جھوٹی ہے ۔ وہ دلچسپ کہانی یہ ہے ۔ عن علی
بن اسباط قال لما ورد ابو الحسن موسیٰ علی المھدی
راٰہ یرد المظالم فقال یا امیر المؤمنین ! ما بال
مظلمتنا لا ترد ؟ فقال لہ وما ذاک یا ابا الحسن ؟
قال ان اللہ تبارک و تعالیٰ لما فتح علی نبیّہ
صلی اللہ علیہ وسلم فدک وما والاھا لم یوجف
علیہ بخیل ولا رکاب فانزل اللہ علی نبیّہ صلی اللہ
علیہ وسلم (وآت ذا القربیٰ حقہ) فلم یدر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ھم فرجع فی
ذلک جبرئیل وراجع جبرائیل علیہ السلام ربہ
فاوحی اللہ الیہ ان ادفع فدک الی فاطمۃ علیہا السّ
فدعاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہا !
یا فاطمۃ ان اللہ امرنی ان ادفع الیک فدک فقالت
قد قبلت یا رسول اللہ من اللہ ومنک فلم یزل
وکلاؤھا فیہا حیاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فلما ولی ابوبکر اخرج عنہا وکلاؤھا نا قتہ

۞ البدایۃ ص ۳۳۳ ج ۶ و الاستیعاب ص ۱۵۱ ج ۲ طبع حیدرآباد دکن

فسألتہ ان یردھا فقال لھا ائتینی باسود او
احمر یشھد لک بذلک فجاءت بامیر المؤمنین
علیہ السلام وام ایمن فشھدا لھا فکتب لھا بترک
التعرض فخرجت والکتاب معھا فلقیھا عمر فقال
ما ھذا معک یا بنت محمد؟ قالت کتاب
کتبہ لی ابن ابی قحافۃ قال ارینیہ فابت فانتزعہ
من یدھا ونظر فیہ ثم تفل فیہ ومحاہ وخرقہ
فقال لھا ھذا لم یوجف علیہ ابوک بخیل ولا
رکاب فضعی الحبال فی رقابنا فقال لہ المھدی
یا ابا الحسن حدھا لی فقال حد منھا جبل احد
وحد منھا عریش مصر وحد منھا سیف البحر وحد
منھا دومۃ الجندل فقال ذلک کلہ ھذا؟ قال
نعم یا امیر المؤمنین ھذا کلہ ان ھذا مما لم
یوجف علی اھلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
بخیل ولا رکاب فقال کثیر وانظر فیہ [1] اھ

اس کہانی میں یہ دکھایا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضہ کو
فدک تو اسی وقت ہبہ کر دیا گیا تھا جب آیت وآت ذا القربٰی
حقہ نازل ہوئی مگر ابوبکر رضہ و عمر رضہ نے آپ سے چھین لیا۔
وغیرہ وغیرہ۔

اگر اللآلی المصنوعہ کا بیان کردہ واقعہ درست مان لیا
جائے تو وہ یہی فدک والی کہانی ہے جسے جاحظ اور ابو العیناء نے
"شیوخ بغداد" کے ذریعے رواج دینے کی کوشش کی مگر بحمد اللہ
محدثین نے تاڑ لیا اور ان کی تحقیق و بصیرت نے فیصلہ کیا کہ یہ
کہانی من گھڑت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رح لکھتے ہیں۔ عن
ابی سعید قال لما نزلت آت ذا القربٰی حقہ
دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ
فاعطاھا فدک ... وھذا الحدیث مشکل
کان الآیۃ مکیۃ وفدک انما فتحت خیـ
سنۃ سبع من الھجرۃ فکیف یلتئم مع ھـ
فھو اذاً حدیث منکر والاشبہ انہ من وضـ
الرافضۃ اھ [1]

اس افسانے کے متعلق یہی رائے حافظ سیوطی [2] ا
شاہ عبد العزیز [3] کی ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے بھی اس
کے بطلان پر نقلی و عقلی طور پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ [4]
اللآلی المصنوعہ کی یہ عبارت پیش کرتے وقت ا
صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ صحیح بخاری کی حدیث لا نورث ا
خود مصنف اللآلی المصنوعہ [5] نے اسی کتاب میں صحیح تسلیـ
ہے جس کا حصہ متنازعہ فیہ الفاظ ہیں۔ سوچا ہوتا کہ صحیح بخـ
کی حدیث اس عبارت کا مصداق کیسے ہو سکتی ہے؟ وَمَن لَّـ
یَجۡعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوۡرًا فَمَا لَہٗ مِنۡ نُّوۡرٍ!

(۹) رہی حدیث قرطاس تو اس کی صحت بالکل غیر مشـ
ہے۔ صحیحین کے علاوہ بھی وہ متعدد سندوں سے مختلف کـ
میں مروی ہے اور جہاں تک تتبع کیا گیا ہے۔ اہل سنت مـ
اس کی صحت واستناد مسلّم و متفق علیہ ہے۔! (باقی)

۱؎ اصول کافی ص ۵۴۳ ج طہران طبع جدید

۱؎ تفسیر ابن کثیر ص ۳۶ ج ۳ نیز یہ روایت فضیل عن عطیـ
ہے جس کے متعلق میزان الاعتدال میں ہے۔ فضیل یروی عن عطـ
۲؎ لباب النقول ص ۴۷ ۳؎ فتاوی عزیزی (اردو)
ج ۲ ۴؎ منہاج ص ۱۶۶ - ۱۶۹ ج ۲ و ایضاً ص ۱۳۷ ج
۵؎ ص ۵۰۰ طبع لکھنؤ۔

اطلاعات و اعلانات

شیخ فتحی (مکہ مکرمہ) کے لئے دعائے صحت

شیخ فتح محمد فتحی صاحب کی صحت کئی دنوں پہلے خراب
. سر میں درد کی شدت کے باعث انہیں مستشفیٰ جیاد میں
کر دیا ہے۔ ڈاکٹروں نے پیشاب اور خون میں شکر
س کی ہے۔ احباب جماعت ان کی صحت کاملہ و عاجلہ
لئے خلوص دل سے دعا فرمائیں (محمد حنیف رجب ۱۲۶۷
سعودی عرب)

جلسہ

مدرسہ تعلیم القرآن اڈا چک ۳۲/ W-B دہاڑی کا پہلا جلسہ ۱۱ اکتوبر بروز جمعرات صبح ۹ بجے
عصر ہو رہا ہے جس میں جید علمائے کرام خطاب فرمائیں گے
انتظامیہ اڈا چک ۳۲/ W-B دہاڑی)

ضرورت قاری

جامع مسجد اقصیٰ اہل حدیث منڈیالہ روڈ کاموکی ضلع گوجرانوالہ
ـ تجربہ کار محنتی قاری صاحب کی ضرورت ہے جو بچوں
و ناظرہ کی تعلیم دے سکے۔ اگر حفظ کے طلبا ساتھ ہوں
ح دی جائے گی۔ تنخواہ معقول دی جائے گی (حافظ
حنیف خطیب)

ہمیں بچوں کی تعلیم کے لئے ایک محنتی دیانتدار تجربہ کار
کردار قاری صاحب کی ضرورت ہے تنخواہ حسب لیاقت
ئے گی (ملک محمد حنیف کلاتھ مرچنٹ مین بازار وزیر آباد)

...کے باز سے بچیں

پتہ چلا ہے کہ کوئی صاحب ہماری مسجد کے نام پر
اکٹھا کر رہا ہے۔ احباب نوٹ فرمائیں کہ ہمارا کوئی سفیر
اور نہ ہمیں چندہ کی ضرورت ہے ہماری جماعت خود کفیل
ہے۔ کوئی صاحب کسی شخص کو ہماری مسجد کے نام پر چندہ
ادا نہ کریں بلکہ ہمیں اس شخص کے متعلق آگاہ فرمائیں (ملک
محمد حنیف کلاتھ مرچنٹ مین بازار۔ وزیر آباد)

انتخابات

۱۔ جماعت اہل حدیث میہڑ ضلع دادو سندھ

سندھ کے پس ماندہ علاقہ ضلع دادو سندھ کے
ممتاز عالم اور مبلغ اسلام فضیلۃ الشیخ مولانا سید ابو محمد
بدیع الدین شاہ راشدی کے خصوصی خطاب سے کافی لوگ
متاثر ہوئے اور انہوں نے مسلک اہل حدیث کو برحق تسلیم کیا
۱۶ اگست ۱۹۸۴ء کو شہر میہڑ میں جماعت اہل حدیث کا قیام
عمل میں آیا اور مندرجہ ذیل عہدہ دار منتخب ہو گئے۔
(۱) مولانا قاری سعید احمد صاحب۔ امیر (۲) عبدالرحمٰن عباسی
نائب امیر (۳) غلام نبی خان سانگی ایڈووکیٹ۔ معتمد اعلیٰ
(۴) میاں خان محمد تنیہ۔ ناظم نشر و اشاعت (۵) جناب
عبدالوہاب سانگی۔ خازن۔
سات اراکین کی مینجنگ کمیٹی بھی قائم کی گئی

۲۔ دار العلوم تقویۃ الاسلام مدرسہ غزنویہ۔ لاہور

حبیب اللہ سعدی۔ صدر۔ محمد شعیب حامد سیکرٹری
محمد افضل جاوید۔ خازن

۳۔ اہلحدیث یوتھ فورس جمیس آباد (ضلع ملتان)

محمد افضل ولد میاں احمد دین۔ سرپرست۔ محمد افضل
ولد میاں غلام محمد۔ صدر۔ محمد اشرف۔ نائب صدر۔
محمد داؤد اختر سیکرٹری۔ محمد سلیم جوائنٹ سیکرٹری۔
یوسف جاوید غفاری۔ سیکرٹری نشر و اشاعت
محمد افضل ولد محمد یعقوب۔ خزانچی۔ سعید احمد۔ رابطہ آفس سیکرٹری

۴۔ جمعیت الطلبا مدرسہ دار الحدیث والقرآن چک ۱۰/۱۳۸ آر۔ تحصیل خانیوال

امیر: حافظ احمد علی زاہد۔ نائب امیر، حافظ محمد اسلم۔

ناظم اعلیٰ - محمد افضل - نائب ناظم - حافظ عبدالستار ساجد خازن - محمد عباس عابد - ناظم نشرواشاعت: مولوی لیاقت علی

۵ - جمعیت طلبہ دارالحدیث محمدیہ جلال پور پیروالا

صدر - محمد ایوب شیخوپوری - نائب صدر - عبدالرحمٰن شاہین ناظم اعلیٰ - محمد داؤد ثاقب - نائب ناظم - نذیر احمد فانی ناظم بیت المال - محمد اسحاق طارق

۶ - جمعیۃ الطلباء جامعہ محمدیہ قدوسیہ کوٹ رادھا کشن قصور کا انتخاب

مولوی ثناء اللہ صاحب - امیر، عبدالرشید صابر - نائب امیر محمد حسین زاہد حجروی - ناظم - محمد یونس شاکر داؤد - ناظم نشرواشاعت - عبدالرؤف قدوسی - ناظم مالیات۔

۷:- یوتھ فورس اہلحدیث کی کراچی شاخ کے لئے ملک نور محمد اعوان ایڈووکیٹ صاحب کو امیر اور ڈاکٹر عبدالحفیظ فاروقی صاحب کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ (شعبہ نشرواشاعت)

طابع، چوہدری عبدالباقی نسیم ● مطبع، اومنی پرنٹرز، لاہور ● ناشر، محمد عطاء اللہ حنیف ● مقام اشاعت، شیش محل روڈ۔ لاہور